قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر

(از جناب مولوی غلام ربانی صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ))

(۳)

آخر اس وقت رقاع[1] سے جیسے کام لیا جاتا تھا ابتدائی کتابت کے وقت بھی کیا یہی رقاع نہیں مل سکتا تھا حیرت ہوتی ہے کہ قرآن ہی میں لوگ یہود کے متعلق

کَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا — ان کی مثال اس گدھے کی ہے جو کتابیں لادے ہو

اور ان جیسی دوسری آیتیں پڑھتے ہیں اور اسی کے ساتھ یہ بھی باور کئے جاتے ہیں کہ عرب کتابی ساز و سامان سے بالکل خالی تھا یہودیوں کو تو لکھنے کے لئے اتنا سامان مل سکتا تھا کہ گدھے بن کر اس کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد سکتے تھے لیکن پیغمبر کو قرآن کے چند اوراق کے لئے وہی چیزیں نہیں مل سکتی تھیں جن پر بار خر کے برابر یہ کتابیں لکھا کرتے تھے۔ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝

---

[1] لغت کی کتاب مجمع البحار میں "رقاع" کی تحقیق کرتے ہوئے ایک دوسری حدیث بھی نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ آئیں گے وعلیٰ رقبتہ رقاع تخفق پھر اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے اراد بالرقاع ما علیہ من الحقوق المکتوبۃ فی الرقاع جس کا مطلب یہی ہوا کہ دین اور قرض وغیرہ جیسے مطالبات ادا کئے بغیر جو مریں گے قیامت کے دن ان مطالبات کے وثائق کو اپنی اپنی گردنوں میں باندھے نمودار ہوں گے اور مطالبات کے یہ وثائق رقاع میں لکھے ہوں گے، جس سے معلوم ہوا کہ رقاع کا یہ لفظ جو رقعہ کی جمع ہے اس کے متعلق یہ بات کہ وثائق اس پر لکھے جاتے تھے عرب کا عام دستور تھا گویا کاغذ کے لفظ کا جو حال اس وقت اردو میں ہے بلکہ "رقعہ" کا لفظ اردو میں بھی تو آج تک لکھی ہوئی تحریروں کے لئے بولا جاتا ہے دیکھو مجمع البحار ص ۲۷ ج ۱

واقعہ یہ ہے کہ عرب کی ایامِ جاہلیت کی تاریخ سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس ملک کے شمال و جنوب میں کتب خانوں کے مختلف مراکز پائے جاتے تھے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے بہر حال ان تاریخی روایات کی روشنی میں قرآن کے اجمالی بیان کی یہ تشریح پیدا ہوتی ہے کہ قرآن کی ہر آیت کو ایک تو اس وقت لکھ لیا جاتا تھا جس وقت وہ نازل ہوتی تھی پھر ہر ہر سورہ مرتب ہونے کے بعد جس حد تک پہنچ جاتی تھی رسول اللہ صلعم اپنے صحابیوں کو لکھوا دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر قرآن کے لکھنے کے جس کام کا ذکر مستدرک حاکم والی روایت میں کیا گیا ہے اس میں کتابت قرآن کی اسی دوسری منزل کا پتہ ان الفاظ میں جو دیا گیا ہے کہ وہ ہم تالیف کرتے تھے" صحابہ کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف سورتوں میں جدید اضافے وحی کے ذریعہ جو ہوتے رہتے تھے ان اضافوں کو متعلقہ سورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے سامنے بیٹھ کر جوڑتے تھے، اور یوں تدریجاً قرآن کی ان سورتوں کے وہ نسخے جو صحابہ کے پاس جمع ہوتے چلے جاتے تھے مکمل ہوتے رہے[1]۔

---

[1] مستدرک حاکم کی مذکورہ بالا روایت یعنی صحابی کا بیان کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن فی الرقاع (ہم لوگ رسول اللہ کے ارد گرد بیٹھ کر قرآن کو رقاع میں تالیف کرتے تھے) خود اسی میں تالیف کرنے کا جو ذکر ہے اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نقل نہیں کرتے تھے بلکہ جن جن سورتوں کی متعلقہ آیتیں اس وقت تک نازل ہو چکی ہوتیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی سورتوں کے ان مقامات پر ترتیب دے کر لکھا کرتے تھے جہاں پر ان کو ہونا چاہئے تھا۔ . . . . بیہقی نے بھی تالیف کا مطلب یہی لیا ہے لکھا ہے کہ المراد تالیف ما نزل من الآیات المفرقۃ فی سورہا وجمعہا (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ مطبوعہ ہند) جس کا حاصل وہی ہے جو میں نے عرض کیا اس کثرت سے صحابیوں نے براہ راست قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا تھا کہ عہد عثمانی میں جب حکومت کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ جس جس کے پاس پورا قرآن یا اس کی سورتیں ہوں ان کو [illegible] تو بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں نے لا لا کر جمع کرنا شروع کیا کان الرجل یجیئ بالورقۃ والادیم فیہ القرآن [illegible] کے ساتھ حاضر ہونے) اسی میں یہ بھی ہے کہ حتی جمع من

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

یہی نہیں کہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر صحابہ صرف زبانی ہی یاد کرتے تھے، بلکہ جو لکھنا جانتے تھے وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر جیسے جیسے سورتیں مکمل ہوتی چلی جاتی تھیں ان کی نقل بھی لیتے چلے جاتے تھے اور آنحضرت کے منشاء کے مطابق ان کو مرتب کرتے جاتے تھے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جس وقت تشریف لے گئے تو صحابہ کے سینوں میں بھی، اور ان کے سفینوں میں بھی قرآن محفوظ تھا سینوں کی حفاظت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ عہد نبوت ہی میں بیر معونہ کا واقعہ پیش آیا تو جیسا کہ بخاری میں ہے شہید ہونے والوں کی تعداد ستر کے قریب تھی دھوکہ دے کر کفار نے ان کو قتل کر دیا تھا اور یہ سارے کے سارے قراء یعنی حافظ قرآن تھے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کل ایک سال بعد قریب کے ایک مقامی یورش کو دبانے کے لئے عہد صدیقی میں یمامہ (نجد) فوجی دستہ بھیجا گیا تھا لیکن اتفاقاً کثیر تعداد شہید ہو گئی، اس میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کے حفاظ کی تعداد جیسا کہ بخاری کے حاشیہ میں ہے۔

کانت عدۃ من القراء سبعمائۃ	قرآن کے حفاظ اس جنگ میں جتنے شہید ہوئے تھے ان کی تعداد سات سو[1] تھی۔
ص ۷۵۰ ج ۲	

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ذلک کثرۃ (یعنی بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ بہرحال کہنے کی بات یہ ہے جب یہ سارا ذخیرہ جمع ہو گیا تب حضرت عثمانؓ تشریف لائے روایت میں ہے

فدعاھم رجلا رجلا فناشدھم لسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو املہ علیک فیقول نعم	ایک ایک آدمی (یعنی صحابی) کو بلاتے اور قسم دے دے کر فرماتے کہ واقعی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سن کر لکھا ہے صحابی کہتے کہ ہاں
کنز العمال ص ۵ ج ۲	

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قرآنی سورتوں کی ایسی نقلیں کتنی کثرت سے صحابہ میں پھیل چکی تھیں جو خود رسول اللہ کی لکھوائی ہوئی تھیں ۱۲ مناظر احسن گیلانی [1] اس تعداد پر تعجب نہ کرنا چاہئے عام (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ایک معمولی مقامی مہم میں شہید ہونے والوں کے اندر خیال تو کیجئے کہ جب سات سات سو صحابی ہوتے تھے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ میں کتنی زیادہ تعداد حفاظ کی پائی جاتی تھی اور یہی حال مکتوبہ نسخوں کی کثرت کا معلوم ہوتا ہے جو ان ہی صحابیوں کے پاس موجود تھے مکہ کے ابتدائی زمانہ ہی میں کون نہیں جانتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام میں اسی وجہ سے داخل ہوئے تھے کہ ان کی بہن قرآن پڑھ رہی تھیں انھوں نے اس کو چھیننا چاہا تو بہن نے انکار کردیا۔ یہ واقعہ مشہور ہے اور سب جانتے ہوں گے کچھ نہیں تو ابتداء اسلام کا یہی ایک واقعہ اس عامیانہ خیال کی تردید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تاریخوں مثلاً طبری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے ایک ہزار اور کئی سو آدمی مسلمانوں کی فوج کے یمامہ کی اس مہم میں شہید ہوئے تھے، شہداء میں بڑے بڑے لوگ مثلاً سالم مولی ابی حذیفہ اور حضرت عمر کے حقیقی بھائی زید بن الخطاب رضی اللہ عنہما اس جنگ میں کام آئے۔ قرآن کے متعلق حضرت سالم مولی ابی حذیفہ کو خاص خصوصیت صحابہ میں حاصل تھی بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن چار صحابیوں سے قرآن پڑھنے کا حکم عام مسلمانوں کو دیا کرتے تھے ان میں ایک سالم بھی تھے طبری وغیرہ سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سالم کے ساتھ جو فوجی دستہ تھا وہ اہل القرآن کا فوجی دستہ سمجھا جاتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے سالم ہی سے قرآن پڑھا تھا اور استاد کے ساتھ سب ہی شہید ہوئے تھے حضرت سالم کہتے جاتے تھے کہ ہم قرآن والے لوگ ہیں پیچھے ہٹ نہیں سکتے اور واقعہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر رسول اللہ ہم لوگوں کو قرآن یاد کراتے تھے خود صحابہ پر بھی قرآن کے سیکھنے پڑھنے اور یاد کرنے کا جو بے پناہ جذبہ مسلط تھا اور اسی کے ساتھ اس کا بھی اگر خیال کیا جائے کہ امامت سے لے کر قبر میں دفن ہونے تک امتیاز اور ترجیح کا قاعدہ یا عہد نبوت میں صرف یہ تھا کہ قرآن کس کو زیادہ یاد ہے وہی امام بنایا جاتا تھا اور شہیدوں میں دفن کے وقت اسی کو پہلے دفن کیا جاتا تھا جو قرآن کے یاد کرنے میں زیادہ آگے ہوتا تھا عرب کا دماغ عام مشغلوں سے اس وقت خالی تھا علمی پیاس ان میں جب پیدا ہوئی تو سب سے پہلے تشنگی بجھانے کے لئے ان کو قرآن ہی ملا صحابہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن ان کے سینوں میں اس طرح جوش مارتا رہتا تھا جیسے کھولتی ہنڈیا جوش مارتی ہے جب ایک جگہ چند صحابی بھی جمع ہوجاتے تھے تو لوگوں کا بیان ہے کہ دوی کدوی النحل (شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ) کی آواز گونجنے لگتی تھی یعنی قرآن

(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

کے لئے کافی ہے کہ ابتدائی یادداشتوں کے سوا کتابی شکل قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک حاصل نہ کرسکا، کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان عورتوں تک کے پاس قرآن کی نقلیں مکہ معظمہ ہی میں اور وہ بھی شروع اسلام ہی میں جب پائی جاتی تھیں تو زمانہ جیسے جیسے آگے کی طرف بڑھا کوئی وجہ ہوسکتی تھی کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی نقل نہ حاصل کرتے ہوں، ذرا خیال تو کیجئے کہ بخاری وغیرہ میں لوگ یہ بھی پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابیوں کو منع فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کو لے کر دشمن کے علاقے میں نہ جایا کرو اگر مکتوبہ شکل میں قرآن کے نسخے صحابہ کے پاس موجود ہی نہ تھے تو اس حکم کے معنی کیا ہونگے اسی طرح کی روایتیں ہیں کہ ناظرہ یعنی دیکھ کر قرآن کے پڑھنے کا ثواب رسول اللہ نے لے کتھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا ورد جو ایک شروع کیا تھا اب تک جاری ہے، اس پر کیوں تعجب کیجئے اگر یمامہ کی لڑائی میں سات سو قرآن کے حفاظ شہید ہوگئے واقعہ کی اہمیت ہی کا اقتضا تو ہوا جو حضرت شیخ نے اسی ہی کو قرآنی نسخوں کی شیرازہ بندی پر اصرار کے ساتھ آمادہ کیا۔ مناظر احسن گیلانی (حاشیہ صفحہ ۷۷)

لہ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ بہن کے زدوکوب سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمر کی ان کی حالت پر بہن کی حالت دیکھ کر ... میں شرمندگی سی پیدا ہوئی اور بہن سے بولے کہ اعطینی الصحیفۃ التی سمعتکم تقرؤن انفا ... یعنی جو صحیفہ (کتاب) تم لوگوں سے میں نے سنا پڑھتے ہوئے مجھے دو، اس پر ان کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو ایسی حالت میں اس کو چھو نہیں سکتے (فاغتسل فاعطتہ الصحیفۃ) تب حضرت عمر نے غسل کیا اور ان کی بہن نے صحیفہ ان کو دیا) صحیفہ دینے کے اس قصہ کا ذکر علاوہ سیرت کی کتابوں کے دارقطنی کی سنن میں بھی ہے۔ البتہ بجائے غسل کے اس میں وضوء کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے بہرحال ... الصحیفۃ کے الفاظ اسی روایت میں بھی ہیں، روض الانف میں لکھا ہے کہ اس صحیفہ میں صرف ایک سورۃ طہٰ ہی نہیں تھی بلکہ طہٰ کے سوا کا بھی پتہ چلتا ہے بعض روایتوں میں ہے کہ اذا الشمس کورت کی سورۃ بھی اس صحیفہ میں تھی جو حضرت عمر نے اپنی بہن سے مانگ کر پڑھا تھا دیکھو صفحہ ... روض الانف صفحہ ۲۱ – لہ مسند احمد میں ہے کہ ناظرہ دیکھ

(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

کہ زیادہ ہے کیا اس حکم کی تعمیل ہو تو بہ قرآن کے بغیر ممکن تھی بس واقعہ یہی ہے جیسا کہ صحابہ خود ہی بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر وہ قرآن کی نقل حاصل کیا کرتے تھے اور یوں بکثرت قرآنی سورتوں کی نقلیں صحابہ کے پاس موجود تھیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ قرآن کی یہ سورتیں جن کی حیثیت مستقل رسالوں اور کتابوں کی تھی، ان سب کو ایک ہی تقطیع اور سائز کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا طریقہ رسول اللہ کے عہد میں مروج نہیں ہوا تھا بلکہ ایک ہی مصنف کی مختلف کتابیں الگ الگ جلدوں کی شکل میں جیسے آجکل چھپی ہوئی ملتی ہیں یہی حال گویا عموماً قرآن کی ان سورتوں کا سمجھنا چاہئے تھا اگرچہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر ایک سے زائد صحابیوں نے یہ کام بھی کر لیا تھا لیکن اس کا عام رواج نہیں ہوا تھا[1] آنحضرت صلعم کے بعد عہد صدیقی میں قرآن کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ قرآن پڑھنے کا درجہ اسی قدر بلند ہے جتنا کہ نفل نماز کو نفل نماز پر فضیلت... حاصل ہے بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ رسول کو جو دوست رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ قرآن کو مصحف میں پڑھے اور یہ روایتیں تو صحاح کی عام کتابوں میں پائی جاتی ہیں مگر دارمی کی وہ تاریخی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ آخری خطبہ میں جب اس مقام پر پہنچے یعنی فرما رہے تھے کہ لوگو! قبل اس کے کہ علم اٹھا لیا جاوے اس کو حاصل کر لو اس پر ایک اعرابی نے کہا کہ کیا علم اٹھا لیا جائے گا حالانکہ " المصاحف " یعنی مکتوبہ قرآن کے نسخے ہمارے درمیان موجود ہیں کیا اس سے زیادہ صریح شہادت اس بات کی مل سکتی ہے کہ عہد نبوت میں گھر گھر قرآن کے نسخے پھیل چکے تھے اس سلسلے میں چاہا جائے تو اور بھی بہت سی روایتیں جمع ہو سکتی ہیں ۱۲ مناظر احسن گیلانی

[1] مراد اشارہ بخاری وغیرہ کی اس روایت کی طرف ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن کو چار آدمیوں نے جمع کیا اور یہ سب انصار سے تھے یعنی ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابو زید و زید بن ثابت عام طور پر جمع کرنے کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ زبانی یاد کیا تھا مگر بیر معونہ میں ستر صحابی ایسے شہید ہوئے تھے جن کے متعلق بیان کیا گیا ہے جمعوا القرآن ابن شہاب زہری بجائے جمعوا کے قد جمعوا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

جو خدمت ہوئی ہے اس کا تعلق اسی واقعہ سے ہے میرا اشارہ بخاری وغیرہ کی اسی مشہور روایت کی طرف ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یمامہ میں حفاظِ قرآن کے شہداء کی غیر معمولی کثرت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم کے خصوصی کاتبِ وحی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ایک نسخہ قرآن کا وہ تیار کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) زبانی یاد کیا تھا ان لوگوں نے قرآن کو) (دیکھو کنز العمال) مگر بجز حفظ قرآن کو ان ہی چار انصاری صحابیوں تک محدود کر دینے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے میرے نزدیک ان چار صحابیوں نے کتابی شکل میں پورے قرآن کو جمع کیا تھا، یعنی قرآن کی کل سورتیں یا سارے قرآنی رسائل ان کے پاس مکتوبہ شکل میں موجود تھے اور یہ انحصار بھی بظاہر انصاری صحابیوں کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے محمد بن کعب القرظی کے حوالہ سے کنز العمال ہی میں جو روایت ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جمع القرآن فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خمسۃ من الانصار (یعنی انصار کے پانچ آدمیوں کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انھوں نے قرآن جمع کیا تھا) طبرانی کے حوالہ سے کنز العمال ہی میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصاریوں میں مجمع بن جاریہ نے بھی قرآن جمع کیا تھا بجز دو یا تین سورتوں کے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی مصنف کی جیسے کل کتابیں لوگ جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن اکثروں کے پاس کل تصنیفات نہیں ہوتے عہد نبوت میں عام صحابہ کا قرآنی سورتوں کے متعلق یہی حال تھا کنز العمال میں ابن داؤد کی کتاب المصاحف کے حوالہ سے صحابہ کے متعلق یہ الفاظ صراحۃً بھی منقول ہیں یعنی کتبوا اخلاث فی الصحف والالواح (یعنی صحابہ نے قرآن کو صحیفوں اور تختیوں میں لکھ لیا تھا) ج ۲ ص ۴۵ برمسند احمد میں لوگوں سے کیا کہوں کنز العمال ہی میں اس واقعہ کا تذکرہ جو ملتا ہے کہ قیس بن مروان نامی ایک صاحب کوفہ سے حضرت عمر کے پاس آئے اور آکر عرض کیا کہ ایک شخص کو کوفہ میں چھوڑ کر آیا ہوں جو قرآن کو زبانی لکھواتا ہے سن کر راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمر غصہ سے بے خود ہو گئے اور غصہ میں فرما رہے تھے ارے یہ کون شخص ہے جو ایسی حرکت کرتا ہے، قیس نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود یہی کرتے ہیں، ابن مسعود کا نام سن کر حضرت عمر کچھ ٹھنڈے پڑے اور فرمایا کہ خیر قرآن کے جاننے والوں میں میں نہیں جانتا کہ ان سے بھی بڑا عالم کوئی رہ گیا ہے" (کنز ج ۲ ص ۴۵) میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس روایت کے بعد یہ خیال کہ عام طور پر قرآن کو زبانی لکھوانے کی ممانعت تھی اور یہ کہ جو بھی قرآن لکھتا تھا کسی مکتوبہ نسخے سے نقل کرتا تھا اگر قائم کیا جائے تو اس کے سوا کیا کوئی دوسرا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ مناظر احسن گیلانی

نہ سمجھنے والوں نے خدا جانے اس روایت سے کیا کچھ سمجھ لیا اور عجیب و غریب نتائج پیدا کر لیے بعض اس روایت کو پیش کر کے مدعی ہو گئے کہ کتابی شکل قرآن نے عہد صدیقی ہی میں اختیار کی ورنہ اس سے پہلے اس کی حیثیت زبانی یادداشتوں کی سی تھی۔ مگر جو کچھ اب تک عرض کیا جا چکا ہے اس سے واقف ہونے کے بعد کوئی صاحب فہم لمحہ بھر کے لئے کیا اس مغالطے میں مبتلا رہ سکتا ہے؟ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ فقط لکھوانے ہی کا اگر قصہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو خود لکھوا سکتے تھے۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فرمان کے نافذ کرنے میں کشمکش کا اظہار کیا گو بعد کو راضی ہو گئے انھوں نے کہا تھا کہ میں اس کام کو کیسے کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا بخاری والی روایت کے یہ الفاظ ہیں

کیسی عجیب بات ہے کہ رسول اللہ کا تو قاعدہ تھا کہ اترنے کے ساتھ ہی قرآن کی ہر آیت کو لکھوا دیتے تھے پھر حضرت ابو بکر کا یہ ارشاد کہ رسول اللہ نے جس کام کو نہیں کیا اس کام کو میں کیسے کروں، اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

پس اصل واقعہ یہی ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں کو ایک ہی تقطیع اور سائز پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا کام اور وہ بھی حکومت کی طرف سے یہی ایسا کام تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انجام نہیں دیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خدمت کا مطالبہ کر رہے تھے یعنی چاہتے تھے کہ خلافت اور حکومت کی جانب سے اس کام کو باضابطہ طور پر انجام دلایا جائے بلاشبہ یہ ایک نیا اقدام تھا اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس اقدام کے متعلق تردد ہوا تو اس کی یقیناً گنجائش تھی، لیکن بعد کو خود ان کا فیصلہ بھی یہی ہوا کہ بجائے متفرق رسالوں کی صورت میں رہنے کے یہ زیادہ مناسب ہے کہ تمام قرآنی سورتوں کو ایک ہی تقطیع

کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں سب کو مجلد کرا دیا جائے پھر جیسا کہ سب جانتے ہیں بخاری کی اسی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت کو حکومت کی طرف سے اس خدمت کے انجام دینے کے لئے ابوبکر صدیق رضؓ نے مقرر کیا۔ زید بن ثابت رضؓ نے بڑی محنت اور جان فشانی سے اس کام کو پورا کیا[1]، کام کی رپورٹ کرتے ہوئے وہی باتیں کہیں جو آج بھی کتابوں کے نقل کرنے والے خصوصاً قرآن جیسی اہم کتابوں کے لکھنے والے اور چھاپنے والے عموماً کرتے اور کہتے ہیں یعنی مختلف نسخوں کو بھی انھوں نے لکھتے وقت پیش نظر رکھا اور اسی سلسلہ میں آنحضرت صلعم کی لکھوائی ہوئی ابتدائی یادداشتیں جو رقاع، عسیب، لخاف وغیرہ پر تھیں ان کو بھی انھوں نے اپنے سامنے لکھتے وقت رکھ لیا تھا نیز ہر آیت کی تصحیح دو دو حافظوں سے بھی کرتے چلے جاتے تھے البتہ وہی سورہ برات کی آخر کی دو آیتیں ان کے متعلق رپورٹ میں انھوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آنحضرت صلعم کی لکھائی ہوئی یادداشتوں میں وہ یادداشت ملی جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ دو حافظوں کی تصحیح کی شرط جو تھی اس شرط کی پابندی بھی ان آیتوں کے متعلق میں نے نہیں کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ان کو میں سنتا رہا اور ایک ایسے صحابی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے مساوی قرار[2] دیا تھا یعنی خزیمہ رضؓ بن ثابت انصاری کی تصحیح کو کافی سمجھا جس کی وجہ غالباً وہی تھی

---

[1] امام مالک شہاب زہری سے اور شہاب زہری عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے سالم کے حوالہ سے یہ روایت نقل کرتے تھے کہ زید بن ثابت نے "القراطیس" پر ابوبکر کے حکم سے قرآن کی کل سورتوں کو لکھا تھا، غالباً ایک ہی تقطیع کے اوراق جب بنائے جاتے تھے ان کو قراطیس کہتے تھے دیکھو اتقان ص ۶۰ ج ۱ ایک سائز کے اوراق پر لکھے ہونے کی وجہ سے ابوبکر صدیق کی حکومت کے مرتب کردہ اس نسخہ کو "ربعہ" بھی کہتے تھے دیکھو اتقان ص ۶۰ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طول و عرض ان اوراق کا مساوی تھا "ربعہ" (چوکھوٹا) کا لفظ بھی بتاتا ہے ۱۲ مناظر احسن گیلانی [2] واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک بدوی جس کا نام سواء بن قیس المحاربی تھا اس نے رسول اللہ صلی

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

کہ سورۂ برات کی ان آیتوں کو بطور وظیفہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیوں کو پڑھنے کا عام حکم دے رکھا تھا، اسی لئے عام طور پر جانی پہچانی یہ دونوں آیتیں تھیں۔

بہر حال حکومت کی جانب سے ایک ہی تقطیع پر تمام قرآنی سورتوں کے لکھوانے اور سب کو ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا مرحلہ تو عہد صدیقی ہی میں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال بعد ہی پورا ہو چکا تھا، علامہ قسطلانی شارح بخاری کے حوالے سے اتقان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اللہ علیہ وسلم سے ایک گھوڑے کی نسبت آنحضرت کا معاملہ ایک بدو کا کیا گیا اور یہ معاملہ کسی کے سامنے ہوا، واقعہ یہ تھا کہ معاملہ کے وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا، خزیمہ انصاری نے تقریر ہو کر کہا کہ بیشک معاملہ ہوا تھا، رسول اللہ نے پوچھا کہ تم کب موجود تھے جو گواہی دے رہے ہو، خزیمہ نے کہا کہ آپ کی رسالت کو جب ہم حق سمجھتے ہیں تو بھلا گھوڑے کے معاملے میں آپ کوئی خلاف واقعہ دعویٰ فرما سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقعہ پر فیصلہ فرمایا کہ خزیمہ جس کی موافقت یا مخالفت میں گواہی دیں ان کی گواہی کافی قرار دی جائے گی (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۱۴)

؎ ان صحابی کا نام خزیمہ تھا یا ابو خزیمہ؟ واقعہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ راویوں سے کسی راوی کو ان کا نام خزیمہ یاد رہا اور کسی کو ابو خزیمہ، اگرچہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ خزیمہ نام بتانے والے صحت سے زیادہ قریب ہیں ان روایتوں میں ایک اختلاف یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق عہد صدیقی کی قرآنی خدمت سے تھا یا حضرت عثمان کی حکومت نے جو کمیٹی بٹھائی تھی، اس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا، مگر ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں اس واقعہ کے پیش آنے کی صورت ہی کیا تھی، عہد صدیقی میں قرآن کے سارے اجزاء کی شیرازہ بندی ہو چکی تھی عہد عثمانی میں تو عہد صدیقی کے اسی مرتبہ نسخہ کی نقل کی گئی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن چند آیتوں کے متعلق زید بن ثابت نے یہ بیان دیا تھا یہ آیتیں سورۂ برات کی آخری دو آیتیں تھیں یا الاحزاب کی یعنی رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ الآیہ والی آیت تھی، روایت کے راویوں کو اس میں بھی اشتباہ ہوا اور غالب قرینہ یہی ہے کہ برات ہی والی آیت تھی کیونکہ عام طور پر بطور وظیفہ کے ان ہی دو آیتوں کے پڑھنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اسی لئے ہر خاص و عام کے یاد ہونے کی وجہ سے زیادہ تفتیش و تلاش کی ضرورت بھی نہ تھی، بلکہ روایتوں کے مختلف الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو ان سے واقعہ کی اصل صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی یادداشتوں میں سے صرف یہی ٹکڑا جس میں برات کی یہ دونوں آیتیں تھیں

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

نے نقل کیا ہے کہ

قد كان القرآن كله كتب في عهد النبي صلى الله عليه وسلم لكنه غير مجموع في موضع واحد ولا مرتب السور (الاتقان ج ۱ الكتاني)

قرآن کل کا کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھا جا چکا تھا البتہ ایک جگہ ساری سورتوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا یعنی ایک جلد میں مجلد ساری سورتیں نہ ہوئی تھیں)

حارث محاسبی نے جو امام حنبل کے معاصر ہیں اپنی کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں قرآنی یادداشتوں کا جو مجموعہ تھا "

كان القرآن فيها منتشراً فجمعها جامع وربطها بخيط حتى لا يضيع

اسی میں قرآنی سورتیں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں ابوبکر کے حکم سے جامع (یعنی زید بن ثابت) نے ایک جگہ سب سورتوں کو جمع کیا اور ایک دھاگے سے سب کی شیرازہ بندی کی۔

اور یہی کام یعنی ایک جلد میں مجلد کرانے کا کام عہد صدیقی میں انجام پایا لیکن دوسروں کو بھی اسی کی تقلید پر نہیں ساری سورتوں کو ایک ہی تقطیع پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرائیں اور سورتوں کی جلد بندی میں جو ترتیب رکھی گئی تھی اسی کی پابندی کریں اس پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک ہی مصنف کی چند کتابیں کو مختلف سائز کے اوراق پر لوگ چھاپتے ہیں اور کسی خاص ترتیب کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) زید کو نقل سے کا ... قتادہ خود فرماتے ہیں کہ وہ ٹکڑا مفقود تھا فالتمسناها فوجدناها مع خزیمہ (یعنی ہم لوگوں نے اس کو ڈھونڈھا، ... درج کیا تو خزیمہ کے پاس وہ گم شدہ رقعہ یا ٹکڑا مل گیا) بجائے مفرد صیغے کے التمسناها (ہم لوگوں نے ڈھونڈھا) جمع کا صیغہ ... استعمال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابی بھی تلاش میں شریک تھے خزیمہ کے پاس یہ رقعہ یا ٹکڑا کیسے پہنچ گیا تھا ممکن ہے کہ نقل کرنے یا کسی دوسری غرض سے رسول اللہ سے خزیمہ مانگ کر لے گئے اور واپسی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی یا کسی اور وجہ سے واپس کرنے کا موقعہ ان کو

پابندی کے بغیر جس کے جی میں جس طرح آتا ہے ان کی جلد بند ہوتا ہے کچھ یہی حال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک رہا لوگوں کی انفرادی آزادی میں حکومت نے دخل دینا مناسب نہ خیال کیا لیکن مختلف ممالک و امصار کے لوگ جب اسلام میں داخل ہوئے جن میں عرب ہی نہیں بلکہ بیرون عرب کی بھی ایسی بڑی آبادیاں شریک تھیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، عربی الفاظ و حروف کے صحیح تلفظ کی قدرت طبعاً ان میں نہیں پائی جاتی تھی نیز خود عرب میں بھی قبائلی اختلاف لب ولہجہ میں بکثرت پایا جاتا تھا اور اختلاف کی یہ نوعیت دنیا کی تمام زبانوں میں عام ہے۔ ابن قتیبہ نے لب ولہجہ کے قبائلی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

فالھذلی یقرء عتی حین والاسدی	ہذلی یعنی بنی ہذیل کے قبیلہ والے (حتی حین) کو
یقرء تعلمون بکسر والتمیمی یھمل والقریشی	عتی حین پڑھتے ہیں، اسی طرح تعلمون کی ت کو
لا یھمل[1]	زیر کے ساتھ اسدی یعنی بنی اسد والے تلفظ کرتے
	ہیں اسی طرح تمیمی اہمال سے کام لیتا ہے قریشی
	یہ نہیں کرتا۔

اسی طرح تابوت کا تلفظ خود مدینہ والے تابوہ کرتے تھے اور بھی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں قرآن کے پڑھنے میں عربی قبائل اور عجمی نومسلموں کی طرف سے ان اختلافات کا جب ظہور ہوا اور ہر ایک اپنے تلفظ کی صحت پر اصرار بے جا کرنے لگا تو اس وقت حضرت حذیفہ بن یمان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نسخہ کی نقل کے لئے ایک سررشتہ قایم کر دیا جو عہد صدیقی میں تیار ہوا تھا اس سررشتہ کے افسر وہی حضرت زید بن ثابت[2] ہی مقرر کئے گئے جنہوں نے عہد صدیقی میں نسخہ تیار کیا تھا اور مزید گیارہ ارکان کا ان کی

---

[1] تبیان فی مباحث القرآن صفحہ۔ صالح الجزاوی [2] زید بن ثابت نوعمری میں مسلمان ہوئے تھے آنحضرت (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

امداد کے لئے اضافہ کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ کتابت کی حد تک قرآن کو اسی لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ صلعم کا تلفظ اور لہجہ تھا اسی سررشتہ نے چند نقلیں تیار لیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف صوبوں کے پایہ تخت میں پہنچ کر فرمان جاری کردیا کہ اپنے اپنے قبائل یا انفرادی لہجوں یا تلفظ کے لحاظ سے لکھے ہوئے قرآن لوگوں کے پاس جو موجود ہیں وہ حکومت کے حوالہ کر دئے جائیں تاکہ ان نسخوں کو معدوم کر دیا جائے۔

عہد عثمانی میں قرآنی خدمت کی صحیح تنقیح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن شریف کی خدمت یہی اور صرف یہی ہوئی ہے جو بجائے خود بہت بڑی اور اہم خدمت ہے ورنہ عربی قبائل اور عجمیوں کے مختلف تلفظ کی بنیاد پر لکھے ہوئے قرآن خدانخواستہ اگر دنیا میں پھیل جاتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ دشمنان اسلام اس بات کو بتنگڑ بنا کر کہاں سے کہاں پہنچا دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ کتابت کی حد تک انھوں نے قرآن میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیا رہا تلفظ تو ظاہر ہے کہ اس میں وحدت کا مطالبہ ان کے بس کی بات تھی بھی نہیں اسی لئے اس مطالبے کو نظر انداز کر دیا گیا اور آزادی بخشی گئی کہ جس کا جو تلفظ ہے یا تلفظ کی جس نوعیت پر جو قادر ہے اسی تلفظ اور لب ولہجے میں قرآن شریف کو وہ پڑھ سکتا ہے ایک حدیث بھی رسول اللہ صلعم کی موجود تھی جس میں فیصلہ فرما دیا گیا تھا کہ قرآن مجید ایک ہی "حرف" یعنی تلفظ پر نازل نہیں ہوا ہے بلکہ "سبعۃ احرف" یعنی متعدد تلفظ کی اس میں گنجائش ہے۔ اگرچہ کوشش تو اسی کی کرنی چاہئے کہ اسی لب ولہجہ میں قرآن کی تلاوت ہر مسلمان کو میسر ہو جو رسول اکرم صلعم کا لب ولہجہ تھا اسی لئے تجوید اور قرأت کا ایک مستقل فن ابتداء ہی سے مسلمانوں میں مروج ہو گیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ کتابت کا کام ان سے لیا کرتے تھے حتیٰ کہ اسی سلسلہ میں یہودیوں کے حروف اور زبان کی تعلیم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انھوں نے حاصل کی تھی یہ ان صحابیوں میں ہیں جنھوں نے تصانیف یادگار چھوڑی ہیں فرائض و مواریث کے متعلق ان کی ایک کتاب کا ذکر مورخین کرتے ہیں۔ ۱۲ مناظر احسن گیلانی

اور غیرت کے لئے (یعنی یہ بتانے کے لئے کہ کوشش کی جائے تو غیر عربی آدمی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریشی لب ولہجہ میں قرآن پڑھ سکتا ہے) قرأت و تجوید کے لئے اسی قسم کے لوگوں کا عہد صحابہ و تابعین ہی میں عموماً انتخاب کیا گیا جو نسلاً عرب نہ تھے فن قرأۃ کے ائمہ بعد کو یہی عجمی نژاد قاریوں کی جماعت ہوئی۔[لہ]

بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا کارنامہ قرآن کے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ یہ ہے کہ کتابت کی حد تک تلفظ اور لب ولہجہ کے جھگڑوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا گیا اور یہ کام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً کل چودہ پندرہ سال بعد انجام پایا۔ آج ممکن ہے کہ خلافت عثمانی کے عہد کی اس قرآنی خدمت کی قیمت و اہمیت کا لوگوں کو صحیح اندازہ نہ ہو سکے لیکن ذرا سوچئے تو سہی کہ ابتداء ہی میں مسلمانوں کو کتابت کی اسی ایک شکل پر جمع نہ کر دیا جاتا تو نتیجہ کیا ہوتا۔؟

عجمی مسلمانوں کو تو الگ بھی جانے دیجئے خود عربی قبائل میں تلفظ اور لہجوں کے اختلافات کیا معمولی تھے قرآنی آیت "قد جعل ربک تحتک سریا" کو قبیلہ قیس والے چونکہ تانیث کا تلفظ ش سے کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر یہی آیت قیس کے قبیلہ والوں کے قرآن میں اس شکل میں لکھی ہوئی ملتی یعنی "قد جعل ربش تحتش سریا" قیس کے اس طرز تلفظ کا اصطلاحی نام کشکشہ قیس تھا اسی طرح تمیم والے اَن کے لفظ کو عن کی شکل میں ادا کرتے تھے اس کا نام عنعنہ تمیم تھا مثلاً عسی اللہ ان یاتی بالفتح کو عسی اللہ عن یاتی

لہ اور واقعی اس پر تعجب ہوتا ہے کہ قراء قرآن کے طبقہ اولیٰ ہی میں ہم قالون اور ورش وغیرہ نام رکھنے والے بزرگوں کو پاتے ہیں۔ ورش تو خیر کہتے ہیں کہ ورشان (فاختہ) کے عربی لفظ کا اختصار ہے لیکن قالون کے متعلق تو اس کی تصریح کی گئی ہے کہ یہ یوروپین یعنی رومی لفظ ہے مگر لکھا ہے کہ عربی میں پہنچ کر صرف اتنا تصرف ہوا کہ کالون کو قالون یعنی کاف کو قاف سے بدل دیا گیا کہتے ہیں کہ کالون کے معنی جید کے ہیں۔ باقی یوں بھی آپ کو قراء سبعہ جو اس فن کے ائمہ ہیں ان میں زیادہ تر عجمی النسل اور موالی طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات ملیں گے۔ ۱۲ مناظر حسن گیلانی

یا لفتح کی شکل میں ادا کرتے تھے اور سب سے دلچسپ اس قبیلہ کا تلفظ تھا جو س کو ت کی شکل میں ادا کیا کرتا تھا اسی وجہ سے پوری سورہ والناس کی ہر آیت کے آخری لفظ میں بجائے س کے ان کے قرآن میں ہم گویا ت لو پاتے مثلاً قل اعوذ برب النات الخ اس معاملہ میں لوگ اس درجہ مجبور تھے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جو ہذیلی قبیلہ سے تھے ان تک کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لئے ٹوکا کہ وہ "حتی حین" کا تلفظ "عتی عین" کی شکل میں کر رہے تھے[1]۔

جب خالص عربی قبائل کا یہ حال تھا تو بیچارے عجمیوں میں پہنچ کر قرآنی نسخوں کی جو حالت ہوتی وہ ظاہر ہے۔

دور کیوں جائیے ہندوستان ہی کا نتیجہ کیا ہوتا کھلی ہوئی بات ہے کہ اس صورت میں جتنے قرآن پنجاب میں طبع ہوتے اس میں ہر جگہ بجائے ق کے ک ہی چھاپا جاتا اسی طرح دکن میں جو قرآن چھپتے ق کی جگہ خ اور خ کی جگہ ق لوگوں کو ہر جگہ نظر آتا اور اس قسم کے اختلافات کو کون گن سکتا ہے ہر تھوڑے فاصلہ سے تلفظ اور لہجے کے یہ اختلافات زبانوں میں پیدا ہی ہو جاتے ہیں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مدرسہ کے معلمین جو مختلف لہجوں میں قرآن پڑھاتے تھے انھیں میں کفّر بعضھم بعضاً کی نوبت تک آگئی تھی تو سمجھا جا سکتا ہے کہ آگے بڑھکر یہی اختلافات مسلمانوں کو خطرہ کے کس نقطہ تک پہنچا دیتے؟۔

واقعہ یہ ہے کہ —— حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی اس خدمت کے مسلمان بہت ممنون نظر آتے ہیں اور عموماً اس کا تذکرہ کرتے ہیں حتیٰ کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے

---

[1] قبائل عرب کے لب ولہجہ کے اختلافات کے سلسلہ میں جو مثالیں دی گئی ہیں علاوہ دوسری کتابوں کے الجزائری کی تبیان میں بھی اس کا کافی مواد مل سکتا ہے دیکھئے صفحات ۳، ۴، ۷، وغیرہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کا ذکر بھی اسی کتاب میں کیا ہے ۱۲۔

کہ "عثمان نے بہت اچھا کیا اور جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ سے کیا انھوں نے پوچھا کہ مسلمانوں میں یہ جھگڑا جو چھڑ گیا ہے کہ ہر ایک اپنی قرأت کو دوسروں کی قرأت سے بہتر قرار دیتا ہے بلکہ دوسرے کی قرأت کو کفر کی حد تک بھی پہنچا دیا جاتا ہے اس کا علاج کیا کیا جائے؟ ہم لوگوں نے پوچھا آپ نے کیا علاج سوچا ہے۔ عثمان نے کہا

(اری) ان نجمع الناس علی مصحف واحد[1] میں خیال کرتا ہوں کہ لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے۔

یہی "جمع الناس علی مصحف واحد" عہد عثمانی کی قرآنی خدمت کی صحیح تعبیر ہے یعنی مسلمانوں کو ایک ہی مصحف پر آپ نے جمع کر دیا۔ عوام نے ان کے اسی خطاب کو جامع القرآن[2] کے نام سے مشہور کر دیا جو نہ صرف یہی کہ واقعہ کی صحیح تعبیر نہیں ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ عام طور پر اس تعبیر سے بڑی غلط فہمی پھیل گئی۔ لوگ سمجھنے لگے کہ حضرت عثمان رضؓ سے پہلے گویا قرآن جمع کیا ہوا یا لکھا ہوا نہ تھا ورنہ یہ تو خیر ایک تعبیری غلطی ہے بجائے جامع القرآن کے جامع الناس علی القرآن سے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اس کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر یہی قصہ یعنی حضرت عثمانؓ کی طرف قرآن کی اسی خدمت کا انتساب اور اس کی شہرت ایک بڑے فتنے کا مقدمہ بن گئی۔ اور اب ہم اسی فتنے کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] دیکھو مختصر کنز العمال برحاشیہ مسند احمد صفحہ ۵۰ ج ۲

[2] یہ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں میں یہ غلط فہمی زمانہ سے پھیلی ہوئی ہے تیسری صدی کے مشہور صوفی اور عالم حارث محاسبی کا یہ قول اتقان میں سیوطی نے نقل کیا ہے المشہور عند الناس ان جامع القرآن عثمان ولیس کذلک انما حمل عثمان الناس علی القراۃ لوجہ واحد (لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت عثمان جامع القرآن ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے انھوں نے لوگوں کو قرآن کی ایک ہی قرأۃ پر صرف جمع کیا) ص۶۰ اتقان ہی میں ابن التین کا قول نقل کیا ہے کہ صرف قریش کے لغت اور لب و لہجہ پر حضرت عثمان نے قرآن لکھوایا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کان وسع فی قرأتہ بلغۃ غیرھم رفعاً للحرج والمشقۃ فی ابتداء الامر کتابت کی حد تک قریش کے لب و لہجہ کی پابندی کی گئی باقی پڑھنے میں حضرت عثمان نے بھی اجازت دے رکھی تھی کہ دوسرے لہجہ و تلفظ میں بھی لوگ پڑھ لیں اس سے تنگی اور مشقت کا ازالہ مقصود تھا ص۶۰

(باقی آئندہ)

ہزار ہا سال کے قدیم ترین تاریخی وثائق قرآن کی روشنی میں

(۲)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

(حیدرآباد دکن)

حیرت ہوتی ہے کہ سحر اور جادو میں ایک طرف ان ہی مصریوں نے یہ کمال پیدا کیا تھا کہ بعض مورتیاں اس شکل میں برآمد ہوتی ہیں کہ ایک آدمی مگرمچھوں کو پاؤں کے نیچے دبائے ہوئے ہے، اور اپنے دونوں ہاتھوں میں متعدد سانپوں، بچھوؤں کو بھی پکڑے ہوئے ہے اور ان ہی کے ساتھ دم کے ساتھ شیر کو بھی اٹھائے ہوئے ہے، یہ مورتی مصری میوزیم میں موجود ہے،

مگر دوسری طرف ان ہی آثار سے جو مصر کے مختلف مقامات سے برآمد ہو رہے ہیں اور چوتھی، پانچویں صدی قبل مسیح کے مورخین مثلاً ہیرودوٹس یونانی، ڈیوڈورس صقلی، پلوٹارک وغیرہ کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی جانوروں کو مصری آخر میں پوجنے لگے تھے۔

عہد فراعنہ میں کہتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے تیس خانوادوں کی حکومت مصر میں قائم ہوتی رہی، انطون کا بیان ہے، کہ مصریوں کے دین اور دھرم کی اس عجیب وغریب شکل کی ابتدا چھبیسویں خانوادے سے شروع ہوئی، اور رومی جب مصر پر قابض ہوئے تو ملک ان ہی حیوانی معبودوں اور دوسرے دیوتاؤں کے نیچے پڑا ہوا تھا، حالت یہ ہو گئی، کہ جن سانپوں کی پرستش کرتے تھے اگر وہ کاٹتا تو اس کو خوش قسمتی خیال کرتے تھے۔ یا جن درندوں کو پوجتے تھے اگر پکڑ لیتا تو بخوشی اس پر راضی ہو جاتے